بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

از مولانا سمیع الحق

دینی اور مادی علوم

متوازی اور متضاد مقاصد و نتائج ——— (ایک جائزہ اور ایک بے لاگ تجزیہ)

شوال دینی مدارس کے تعلیمی سال کے آغاز کا مہینہ ہوتا ہے اس مناسبت سے اس دفعہ نقش آغاز کی جگہ مولانا سمیع الحق صاحب مدیر الحق کی "علم" پر ایک اہم تقریر شائع کر رہے ہیں جو ۲۰ اکتوبر ۸۱ء بعد از عشاء دار العلوم الاسلامیہ کی مروت بنوں کے سالانہ جلسہ میں کی گئی اور جسے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے مرتب کیا گیا — اس تقریر میں دینی اور مادی علوم کے مقاصد اور نتائج کے لحاظ سے ایک نئے انداز میں جائزہ دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ دینی علوم کے حلقوں کے علاوہ عصری تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی اسے دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ ادارہ

(خطبہ مسنونہ کے بعد) ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون وقال اللہ تبارک وتعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔

محترم بزرگو! میں ایک ادنیٰ طالب علم ہوں جب کہ یہاں بڑے بڑے اکابر علماء موجود ہیں۔ محض ان اکابر کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ اس اجتماع کا تعلق ایک دینی تعلیمی ادارہ سے ہے۔ روحانی اور علمی روابط کا حاضر ہونے نہ ہونے پر دار و مدار نہیں۔ مگر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور دار العلوم حقانیہ کے ساتھ ایک محبت و تعلق ہے ان حضرات کو، تو ان نسبتوں کی وجہ سے مجھ جیسے ناچیز طالب علم کو بھی یہ سعادت دی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس کا اہل بنا دے۔ بے تکلف نہیں حقیقت ہے کہ علماء کے ایسے مجمع میں اپنے کو تقریر و خطاب کا اہل نہیں پاتا۔ خدا شاہد ہے کہ میں سب سے بڑھ کر خود نصیحت اور استفادے کا محتاج ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے طفیل مجھے بھی دین کی خدمت کی توفیق دے اور اور طلبہ علم میں شمار کرا دے۔

علم دین کے طالبین کا زمرہ ایک ایسا زمرہ ہے کہ احادیث کی رو سے فرشتے ان کے لئے پر بچھاتے ہیں۔ مچھلیاں سمندروں اور دریاؤں میں دعا کرتی ہیں۔ دین کے طلبہ کے لئے حشرات الارض اپنے بلوں میں اور پرندے فضاؤں میں مصروف دعا ہیں۔ اور یہاں ہم سب دینی طالب علم ہیں اور آنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا کوئی مسئلہ کوئی آیت، کوئی حدیث سن لیں اور علوم دینیہ کی اشاعت میں مصروف اس ادارہ کی ترقی و استحکام میں ہاتھ بٹائیں۔ تو آپ سب طلبا کے لیے مخصوص

ان بشارتوں کے مصداق ہوں گے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من سلک طریقاً یلتمس منه علما سہل اللہ لہ طریقاً الی الجنۃ۔ چند قدم بھی تحصیل علم کے لئے اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے علم کی اس طلب تلاش کے صلہ میں جنت کا راستہ آسان فرما دے گا۔ تو علم اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے علم کی فضیلتوں سے قرآن و سنت بھرا پڑا ہے۔ احادیث و آثار اور روایات بڑی تعداد میں منقول ہیں جس سے علم کے مقام اور علماء کے مرتبے پر روشنی پڑتی ہے۔ اور ہمارا ان تمام ارشادات پر ایمان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جو فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے۔ لیکن آج کے اس دور میں اگر کوئی حقیقت سے کام لے اور انصاف کی روشنی میں اس سارے عالم کا موازنہ کرے اور یہ جتنے نظریات جتنی تحریکیں اور جتنی ازمیں جو کچھ بھی دنیا میں ہے اس سب کی روشنی میں انصاف پر مبنی ایک عدالت بیٹھ جائے جو اگرچہ مسلمان نہ بھی ہو مگر منصف ضرور ہو۔ اور حق بین ہو۔ اور وہ ان تمام نظریات اور مساعی کی روشنی میں اس علم دین کے بارہ میں فیصلہ دے کہ اس وقت دنیا کو اس کی ضرورت ہے یا نہیں تو اگر وہ عدالت مسلمان نہ بھی ہو اور فضائل علم کے متعلق حضور اقدس کے ارشادات پر اس کا عقیدہ نہ بھی ہو تو بھی وہ عدالت یہی فیصلہ دے گی کہ اس وقت دنیا صرف اسی علم سے بچ سکتی ہے جیسے آپ یہ طلبہ اور آپ کے یہ مدارس سنبھالے ہوئے ہیں صرف یہی ایک ذریعہ نجات اقوام عالم کے پاس رہ گیا ہے۔

دنیا میں اس وقت دو ہی علم ہیں۔ ایک وہ جس کے پیچھے ساری دنیا دوڑ رہی ہے۔ وہ علم دنیا کے آرام و راحت حاصل کرنے کے طریقے سکھاتا ہے۔ وہ علم کہتا ہے کہ پچھلے زمانہ میں لوگ بیل گاڑی میں، اونٹوں پر اور گھوڑوں وغیرہ پر سواری کرتے تھے۔ اب یہ علم چاہتا ہے کہ چلنے پھرنے کے ذرائع نہایت تیز رفتار میسر آسکیں۔ ریل گاڑی میں، کاروں پر سفر کریں۔ اس سے بڑھ کر ہوائی جہاز۔ اس سے بڑھ کر میزائل اور راکٹ اور اس سے بڑھ کر خلائی سیارے حاصل ہوں۔

وہ علم کہتا ہے کہ پہلے ہم آمنے سامنے بیٹھ کر بات چیت کرتے تھے سنتے اور سناتے تھے۔ اب یہ علم چاہتا ہے کہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے یہ آواز سماعت مزید پھیل جائے وائرلیس اور فون سے اسے اور وسیع کر سکیں۔ وہ علم کہتا ہے کہ پہلے چراغ جلاتے تھے اب اس سے تیز روشنی کی صورتیں نکالی جائیں۔ بجلی کے بلب ایجاد کئے۔ اس سے تیز راڈ۔ پھر اس سے تیز مرکری لائٹ اس علم نے ایجاد کئے۔ وہ علم کوشش میں ہے کہ ایک مصنوعی سورج، مصنوعی چاند اور مصنوعی ستارے بھی قائم کر سکیں۔ وہ علم کہتا ہے کہ انسان اتنی ترقی کرے کہ ان روشنیوں سے رات کو دن بنانے پر قادر ہو جائے۔ وہ علم کہتا ہے کہ پہلے ہم لاٹھی، کلہاڑی اور لکڑیوں سے لڑتے تھے۔ اب اس سے تیز اور موثر ساز و سامان جنگ اور حربی اوزار تیار کریں۔ پہلے ہم گائے بیل سے زمین میں کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اب یہ علم چاہتا ہے کہ ٹریکٹر اور بھاری زرعی مشینیں ہوں وہ علم ایک بڑا صنعتی انقلاب لانا چاہتا ہے۔ یہ سارے عالم کی یہ یونیورسٹیاں، یہ کالج اور یہ عظیم کتب خانے اور یہ اکیڈیمیاں ان سب کا خلاصہ کیا ہے؟ صرف یہی کہ انسان بڑے آرام و راحت سے آسائش سے اور عیش و عشرت

سے دنیا کی یہ چند روزہ زندگی گزار دے۔

یورپ کا سارا دارومدار انہی علوم پر ہے جسے سائنس کہتے ہیں جسے اکتشافات کہتے ہیں اسے ترقی کہتے ہیں کہ ہم مادی لحاظ سے دنیاوی امور میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے؟ تو ایک وہ علم ہے اور دوسری طرف یہ علم ہے جو اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ وہ علم انسانوں کو ان کی اصل حقیقت بتاتا ہے۔

<u>علم دین کے ثمرات</u> وہ علم انسان کو کہتا ہے تم کیا تھے؟ کیا بنے؟ اور کیا تمہارا انجام ہوگا؟ کیا مقصد حیات ہے؟ کس کام کے لیے یہاں بھیجے گئے؟ اس علم کا تعلق انسان کی ہدایت اور رہنمائی سے ہے وہ علم انسان کو وہ راستہ بتاتا ہے جس سے اس کے دل کو اطمینان و قرار مل سکتا ہے۔ وہ علم انسان کا دل منور کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ گھر میں روشنی کم ہو اور موم بتی جلتی رہے مگر باطن کی روشنی زیادہ ہو۔ وہ کہتا ہے کہ جسم بیل گاڑی پر سفر کیوں نہ کرے۔ راکٹ پر کبھی سوار نہ ہو۔ مگر روحانی لحاظ سے اس کا ارتقاء ایٹمی میزائلوں سے بھی بڑھ کر ہو۔ وہ علم چاہتا ہے کہ انسان میں ایک ایسی روحانی اور ایمانی قوت پیدا ہو جائے جو لاکھوں ہائیڈروجن بموں سے زیادہ قوی ہو۔ وہ علم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے وہ علم دنیا کو امن و سلامتی کی دعوت دے کر ہر دور میں امن و سلامتی کا نعرہ بلند کرتا رہا ہے۔ وہ علم ایک نقطہ وحدت پر انسانیت کو جمع کرتا ہے۔ وہ عالمگیر اخوت و مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ علم کہتا ہے کہ انسان بحیثیت انسان سب برابر ہیں۔ وہ علم کہتا ہے کہ کالے کو سفید پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ سفید کو گورے پر۔ وہ علم کہتا ہے کہ کوئی انسان بھی اچھوت نہیں۔ ہر انسان محترم اور واجب الاحترام ہے۔ وہ علم انتشار و افتراق ختم کرتا ہے۔ وہ علم قناعت اور زہد و ایثار کی تعلیم دیتا ہے گویا وہ علم انسانی مجد و شرف اور انسانی اقدار کا محافظ اور علمبردار ہے جسے آپ قرآن کا علم کہتے ہیں۔ حدیث کا علم کہتے ہیں۔ اور وہ علم ہمیں اپنے رب کی معرفت دیتا ہے۔ کہ اپنے رب کو پہچان لو۔ اور یہ کہ ہمارا ایک خالق و مالک بھی ہے اور وہ علم حق اور باطل کی تمیز کراتا ہے۔ کہ دنیا میں حق بھی ہے اور باطل بھی ہے۔ دن بھی ہے اور رات بھی ہے۔ نور بھی ہے اور ظلمت بھی۔ شر بھی ہے اور خیر بھی۔ ظلم بھی ہے اور عدل بھی۔ وہ علم ان تمام اچھے برے باتوں کی پہچان کی توفیق ہمیں دیتا ہے اور وہ علم ان سب باتوں سے بڑھ کر اپنی ذات کی پہچان کراتا ہے کہ

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا تو اپنے رب کو بھی پہچانا۔ اور جو اپنے آپ کو بھول گیا اور نہ سمجھا کہ میں انسان ہوں یا ایک مہذب اور ماڈرن حیوان اور میرا مقصد حیات بھی چند روزہ زندگانی حیات کی عیش و عشرت ہے۔ اور مجھ میں اور گائے بیل بکری اور دیگر جانوروں میں کوئی فرق مقصد حیات کا نہیں۔ تو یہ اپنی جان کو بھول گیا اور جب بھول گیا تو

نسوا اللہ فانساھم انفسھم خدا کو بھلا بیٹھے تو خدا نے ان سے ان کا نفس بھی بھلا دیا۔

اور علم جدید کا مبلغ علم | تو بھائیو! یہ دو علم چل رہے ہیں سارے عالم میں۔ ایک علم جس کا بڑا زور شور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب تو ہم آسمانوں پر کمندیں پھینک رہے ہیں۔ یہ علم کہتا ہے کہ اب تو ہم چاند کو بھی قدموں سے روند بیٹھے ہیں۔ بے شک یہ علم سمندروں پر قبضہ کر بیٹھا ہے۔ پہاڑوں کے جگر کو چیر ڈالا ہے۔ یہ علم جزء لایتجزیٰ کو توڑ چکا۔ اور عناصر سارے تہس نہس کر رہا ہے۔ اور ان کا تحلیل و تجزیہ کر رہا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس علم نے انسان کو انسانیت دے دی ہے یا نہیں؟ آیئے ہم سارے یورپ پر نظر ڈالیں۔ اس کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں کو دیکھتے ہیں۔ اور اس کے بڑے بڑے پروفیسر اور سائنسدان ان سب کا مبلغ علم دیکھئے۔ ان سب کا مبلغ علم یہی ہے کہ انسان یہاں کے چند روز خوش عیشی اور خوشحالی میں گذارے۔ گندم کی روٹی کی جگہ ڈبل روٹی کھائے قمیص شلوار کی جگہ سوٹ اور ٹائی پہنے۔ کچے کمروں کی بجائے اعلیٰ سے اعلیٰ بلڈنگوں میں رہے۔ گھاس پھوس کی بجائے لنٹر کا چھت ہو۔ مگر یہ سب اس علم کا دنیاوی حال ہے مگر کیا اس علم نے انسان کو انسانیت بھی سکھائی؟ اخلاق کی کتنی تہذیب کر دی؟ اس علم نے انسان کی روح کو کیا دیا؟ اس علم نے ہمارے ضمیر اور قلب کو کتنا سکون و اطمینان دیا؟ اس کے نتائج سارے عالم میں دیکھ سکتے ہیں — وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو دیا تھا وعلم آدم الاسماء کلھا اس علم کی وجہ سے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا۔ اور مسجود ملائکہ بنایا اور اس علم کی وجہ سے انسان کو اس لئے خلیفہ بنایا کہ وہ اس زمین کو آباد کرے۔ استعمار فی الارض مقصود تھا۔ عالم کی تعمیر۔ عالم میں الفت و محبت کی بنیادیں قائم کرنا۔ اس کے مقابلہ میں فرشتوں نے کہا

اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء کہ اس انسان کی تخلیق سے تو آپ کا مقصد تعمیر عالم ہے مگر ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ تو خون بہائے گا۔ آبادیوں کو تباہ کرے گا۔ فصلوں اور کھیتی باڑی کو اجاڑے گا۔ یہ تو نوع انسانی کا دشمن ہو جائے گا۔ ویہلک الحرث والنسل۔

یہ جو فرشتوں اور رب العالمین کا باہمی مکالمہ ہوا ہے۔ تو آپ دیکھتے ہیں کہ رب العالمین اپنے موقف پر قائم ہے اس وقت سے انسان کی جو براءت اور صفائی جو آپ نے فرمائی تھی کہ اس علم کی وجہ سے یہ ایسا نہ ہو گا۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے یہ تو میرا خلیفہ ہو گا۔

ابلیس تو دشمن تھا مگر فرشتوں نے بھی اپنے خدشات پیش کئے۔ کہ ایسا نہ ہو کہ یہ فساد عالم کا باعث بن جائے۔ تو یہ دونوں چیزیں ہی تاریخ کے آغاز سے چلی آرہی ہیں۔ خداوند تعالیٰ بھی اپنی قدرتوں کے کرشمے ظاہر کرتا ہے اور شر کی قوتیں جو ابلیس سے وابستہ طاقتیں ہیں وہ ہلاکت حرث و نسل اور خون بہانے کا مظاہرہ کرا رہی ہیں جس کا ذریعہ وہی علم ہے دنیا کا —— اور دوسری طرف یہ ہمارا علم ہے جو دین کا علم کہلاتا ہے۔

یورپ کے سارے علم و سائنس کا خلاصہ انسانیت کی ہلاکت | اور جو علم بھی اس علم سے کٹ گیا

سے کٹ گیا اور اس علم سے اپنے رشتے توڑ بیٹھا وہ عالم کی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اور آج وہ علم عالم کو ہلاک کرنے کے لئے اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ دیکھئے اس ساری سائنس کا اور یورپ و امریکہ اور روس کی ساری جدوجہد کا خلاصہ اس وقت کیا ہے؟ یہی کہ ہر ایک اتنی طاقت حاصل کر سکے کہ دوسرے سے بڑھ کر زیادہ سے زیادہ انسان چشم زدن میں قتل کر سکے۔ اسلحہ کی یہ دوڑ اور یہ سارے کارخانے کس لئے ہیں۔ ہر ایک کہتا ہے کہ تیز سے تیز رفتار کا ایسا جہاز تیار کر سکوں کہ دوسرے کے پہنچنے سے پہلے جا کر زیادہ سے زیادہ انسانوں کو مار سکوں۔ روس کے صدر اور امریکہ کے صدر کے سرہانے ہلاکت عالم کے بٹن نصب ہیں اور ہر ایک کی سعی ہے کہ دوسرے سے پہلے میں اپنا بٹن دبا سکوں۔ اور ہر ایک کی سعی ہے کہ دنیا کے ہر شہر پر اپنا مورچۂ ہلاکت نصب کرا سکوں۔ اور اس پر میرے میزائل نصب ہوں۔ اس علم اور سائنس نے ہمیں ایک ایسی خطرناک حالت تک پہنچا دیا ہے کہ گویا ہم سب موت کے ایک گولہ میں ہیں چند دقائق اور منٹوں میں وہ یہ عالم تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور تباہ کر سکتے ہیں۔ وہ وہ ہتھیار اور وہ نئی اسلحہ، وہ وہ فساد کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اور اب وہ خود رو رہے ہیں۔ مگر اس دوڑ سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ گڑھے کے ایسے آخری کنارے پہنچ چکے ہیں کہ ایک طرف بھی ہلاکت ہے اور دوسری طرف بھی ہلاکت۔ ایک سے ذرا سستی ہوتی ہے تو اسے یقین ہے کہ دوسرا تباہ کر بیٹھے گا۔ ایک نے ایٹم بم ایجاد کیا اور دو شہروں پر استعمال کیا۔ ناگاساکی اور ہیروشیما۔ تو وہ ابھی تک تڑپ رہے ہیں۔ پھر دوسرے نے ہائیڈروجن بم تیار کیا۔ تو ایک نے کہا کہ اچھا میں نیوٹرون بم تیار کر لیتا ہوں۔ جو ایسا بم ہے کہ جس شہر پر گرایا جائے (خدا نہ کرے) تو آس پاس کئی کئی میل رقبہ کا ہر انسان اور ہر جاندار اپنی اپنی جگہ مر جائے۔ بلڈنگ اور عمارت اپنی جگہ قائم رہیں گی۔ مگر ہر ذی روح اپنی جگہ مر جائے گی۔

یہ اس علم کا انتہائی نکتہ عروج ہے۔ ایسے کیمیائی بم تیار کئے گئے ہیں کہ اگر ایک بم کسی بستی پر گرا دیں تو اس کا زہریلے گیس جس کو پہنچے وہ اپنی جگہ ایسا تڑپنے لگ جائے جیسا کہ مچھلی دریا سے خشکی پر پھینک دی جائے انسان ایسے تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔ آنکھوں سے۔ نتھنوں سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ اور سارا جسم رس رس کر پگھل جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی کی کمر کی ہڈی کو توڑ دیا جائے۔ وہ تڑپ تڑپ کر رہ جاتا ہے۔ ایسا ہر انسان اس گیس کے اثرات سے ماہی بے آب بن کر جاں بحق ہو جاتا ہے۔

امن عالم کا ایک ہی ذریعہ یہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے علمبرداروں کا حال ہے۔ جو کہتے ہیں کہ ہم اپنے علوم کالجوں۔ یونیورسٹیوں۔ فن و انکشاف سے دنیا کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ وہ علم امن اور سلامتی کا ذریعہ نہ بن سکا۔ تو اب کانفرنسیں کراتے ہیں کہ دنیا کی بچاؤ کی صورت کیا ہو۔ دنیا کی امن و سلامتی کا کونسا نسخہ ہے؟ امن عالم کس طرح حاصل ہو۔ اور ایسی کانفرنسوں میں برملا اعتراف کیا جاتا ہے کہ امن عالم

کا نسخہ اب ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ تیر نشانے سے نکل گیا ہے۔ پانی سر سے اوپر ہو گیا ہے۔ امن تو کسی مذہب سے آئے گا۔ امن تو علم الٰہی سے آتا ہے امن تو اس علم سے آئے گا جس کا سرچشمہ انسان نہ ہو اس کا سرچشمہ اللہ کی تعلیمات ہوں کیوں کہ جب خدا انسان کا خالق ہے تو وہی انسان کی اصلاح و فلاح اور کامیابی کی چیزیں جانتا ہے اب ایسا کوئی مذہب ہے نہیں۔ دنیا کے ساتھ ۔ عیسائیت مسخ ہو چکی ہے۔ یہودیت مسخ ہو گئی ہے۔ تو وہ گھوم پھر کر پھر اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ نجات کا راستہ صرف اسلام ہی ہے۔

یہ حال ہی میں ایک عالمی سیمینار کا اظہار خیال ہے۔ کہ امن کا علاج صرف مذہب میں ہے۔ ایک غیبی طاقت غیبی علوم اس دنیا کو بچا سکتے ہیں۔ کہ وہ انسان کی عالمی تباہی کو روک دے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی مذہب اور الٰہی نظام دنیا کے پاس اور ہے نہیں سوائے اسلام کے۔

مذہب اور مادیت کی آپس میں دوڑ | تو مذہب کی دوڑ ساتھ ہی ساتھ جاری ہے۔ یہ پچاس میل کی رفتار پر دوڑ رہے ہیں۔ تو اللہ کا دین اور مذہب سو میل کی رفتار پر آگے آگے جا رہا ہے اور اپنی حقانیت اور صداقت اور اپنی ضرورت و اہمیت ثابت کرتا جاتا ہے۔ یہ چاند پر جاتے ہیں تو سچا مذہب وہاں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اگر یہ سورج تک پہنچتے ہیں تو اللہ کی ابدی صداقتیں پہلے سے وہاں موجود ہیں۔ اور وہ انہیں سگنل دے رہی ہیں الارم دے رہی ہیں کہ انسان! خبردار۔ خبردار۔ میرے دائرہ سے نہیں نکل سکتے تو اگر تم نے چاند میں قدم رکھ دئے تو یہاں بھی میں ہوں۔ سورج تک آؤ گے تو وہاں بھی مجھے پاؤ گے۔

تو اے انسان کیوں مجھ سے بھاگتے پھرتے ہو۔ میری خدائی سے نکل نہیں سکتے ہو۔

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان میری اس خدائی کی اطراف سے زمین اور آسمانوں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ مگر نہیں نکل سکو گے۔

چاند کی تسخیر انکشاف حقیقت کا ذریعہ | اس صدی میں سائنس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انسان کے قدم چاند تک پہنچ گئے۔ بڑی ترقی ہے۔ بڑی بات ہے۔ بے شک ہم انکار نہیں کر سکتے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی طاقت دی ہے۔ اس سے بڑھ کر بھی اس کی قوت ہے۔ لیکن جب انسان کے قدموں میں چاند آ گیا تو وہاں کیا ہوا تین خلا باز گئے ہیں۔ ان میں ایک بڑا خلا باز جس کا نام جیمس ارون ہے وہ چاند پر اپنے احساسات، تجربات اور کیفیات بیان کرتا ہے۔ وہ بڑا خلا باز کہتا ہے کہ جب چاند پر ہم اترے تو سارا عالم اور ساری کائنات میری نظروں میں ایک حقیر مادہ اور بے وقعت سی چیز لگ رہی تھی۔ ایک چھوٹی سی بے جان چیز، اور وہاں مجھے یہ چیز مشاہد ہوئی اور احساس مجھ پر چھا گیا کہ اس کائنات کا ضرور ایک رب اور خالق ہے اور اپنے آپ کو

بالکل بے بس اور تنہا محسوس کیا۔ مگر مجھے صرف یہی ایک سہارا حاصل تھا کہ ہم سب کا اس کائنات کا ضرور ایک خالق اور مالک ہے۔ وہ کہتا ہے کہ چاند میں اللہ نے میرے دل میں ڈال دیا کہ اب اگر دل کے اطمینان کی کوئی چیز پا سکتے ہو، ایک سچا اور روحانی نظام چاہو تو وہ سچا مذہب صرف اسلام ہے۔

یہ انٹرویو اس نے آکر دیتے کہ وہاں دل میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ جب خدا ہے تو اس کا ایک نظام بھی موجود ہونا چاہئے۔ اور وہ نظام صرف اسلام ہے۔ وہ جیمس ارون چاند سے آیا تو زمین پر اس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دی اور مسلمان ہو گیا کہ خدا نے مجھے چاند میں حق واضح کرا دیا۔

آیات آفاقی اور منکرین | سنریھم آیاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اللہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے وجود اور اپنی حقانیت کو آسمانوں کے آخری کناروں میں بھی ان پر ثابت کراؤں گا۔ خود ان کی جانوں میں ان کو اپنی حقانیت دکھاؤں گا۔ سر سے پاؤں تک اللہ کے وجود کی نشانیاں پائیں گے۔ اور یہ جسم ان کا اور اللہ کی وحدانیت، اللہ کی ذات اور اللہ کی قدرت کا ایک زندہ ثبوت اور دلیل ہوگا۔ اگر اپنے آپ کو بھی کوئی نہ دیکھے چاروں طرف آفاق و اطراف سے بھی بے خبر ہے تو اس کے اندھے پن کی کوئی مثال نہیں۔ خدا فرماتا ہے میں ساری کائنات میں اپنے آپ کو انہیں دکھا کر رہوں گا۔ جتنا بھی انکشاف و اکتشاف کریں گے جتنی بھی تحقیق کریں گے۔ جتنی بھی سائنسی ترقی کریں گے حتی یتبین لہم انہ الحق یہاں تک کہ بالکل واضح ہو جائے ان پر میری صداقت و حقانیت یہاں تبیین لکم نہیں کہا۔ لہم فرمایا کہ اے مسلمانو تم تو میرے وجود اور حقانیت کے قائل ہو اور میں کہتا ہوں کہ یہ سائنسی دوڑ اور سر دردی بھی غیروں کے پاس اس لئے زیادہ ہے کہ جو ماننے والے ہیں، دیکھنے والے ہیں انہیں کیا ضرورت ہے یہ تو اندھی بہری کافر قومیں کہ منکر ہیں تو خدا نے آیات آفاقی کی تلاش میں حیران و سرگردان کر دیا ہے کہ آنکھوں میں حقیقت چھپوا دی جاتے۔ یہاں بھی سنریکم نہیں فرمایا سنریہم۔ کہ میں ان منکرین کو بتا کر رہوں گا یہ جو میرے وجود کو نہیں مانتے، ان کو اپنی آیات کا مشاہدہ کرا کر رہوں گا۔

علم الٰہی سے روشن دل | اور میرے مومن بندو میں تو تمہارے قلوب میں جاگزیں ہوں۔ تم تو مجھے بن دیکھے مانتے ہو۔ تمہارا قلب منور ہو چکا ہے۔ علم حقیقی اور علم الٰہی ہے اور یہ لوگ ان کے ہاں باہر تو چراغاں ہے مگر اندر سیاہ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ ان کا دل تو سیاہ قبر ہے۔ اور تمہارے قلب میں جو علم ہے اس کی وجہ سے میں تمہارے قلب کو روشن کئے ہوں۔ اور یہ علم اگر تمہارے پاس ہو تو دل میں قناعت ہوگی۔ دل میں ایثار ہوگا۔ دل میں جزع فزع نہ ہوگا مطمئن اور سیر ہوگے اطمینان قلب کی دولت پاؤ گے۔

حدیث میں آتا ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن (او کما قال) نہ آسمان مجھے اپنے اندر سما سکتے ہیں نہ زمین۔ لیکن میرے مومن بندے کا دل مجھے اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ یہ وسیع

کائنات میری وسعتوں کے سامنے ہیچ ہے کہ میں سب سے وسیع ہوں۔ مگر مومن بندہ کا قلب اس علم الٰہی کے ذریعہ مجھے اپنے دل میں بٹھا دیتا ہے۔ اور دیکھئے جس دل میں خداوند تعالیٰ بیٹھ جائیں اس دل میں جزع فزع آسکتی ہے ؟ وہاں رونے دھونے کا کیا کام وہاں شکوہ شکایت اور بے اطمینانی کا گذر کیسے ہوگا ؟ اس دل میں خوف اور غم بھوک اور پیاس کی فکر آسکتی ہے ؛ ہرگز نہیں۔

مادی علوم کے دو تحفے | تو اس علم کا نتیجہ جو دنیا کا علم ہے کہ امریکہ، برطانیہ، روس اور چین سب نے اسے اپنا مطمح نظر بنالیا ہے۔ اور جو تمہارے دین کا علم نہیں۔ قرآن و حدیث کا علم نہیں تو اس علم کا نتیجہ دو چیزوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں۔ ہر چیز کا خلاصہ لوگ نکالتے ہیں تو یورپ اور مغرب کا خلاصہ کیا ہے جس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اور مغربیت جس کے ہاتھوں سارا عالم بحران میں ہے۔ اس کا نچوڑ آخر کیا ہے ؟ تو دو چیزیں سامنے آتی ہیں صرف دو کہ مادہ پرست اور کافر قوموں پر جنہوں نے دنیا کو اپنا سارا مقصد بنا رکھا ہے۔ اور پیٹ ہی مقصد رہ گیا ہے۔ ان کو خدا نے دو چیزیں دے دیں ایک خوف اور ایک جوع یعنی بھوک۔

بھوک | اس علم کے صلہ اور نتیجہ میں ایک تو بھوک ملتی ہے اور دوسری ڈر اور خوف۔ آپ کہیں گے کہ عجیب بات ہے وہ تو ایم اے، بی اے، کرتا اسی لئے ہے کہ پیٹ بھر جائے۔ پی ایچ ڈی کرتا اس لئے ہے کہ بے فکر ہو کر کھانے کو ملے۔ پیٹ بھرا ہو تو جب صرف پیٹ کے لئے ساری تگ و دو ہے۔ تو خدا نے کہہ دیا کہ یہ تمہارا پیٹ کبھی نہ بھرے گا ــــــ اور بھوک اس بات کا نام نہیں کہ کافی روٹی موجود نہ ہو بلکہ بھوک وہ حالت ہوتی ہے کہ ہر وقت چیختا ہے کہ بھوک سے مر جاؤں گا۔ خزانہ خالی ہے ابھی بھرا نہیں ہے۔ کل کیا ہوگا۔ کل کیا کھاؤں گا۔ بچے کیا کھائیں گے کہ دکان اور کارخانے میں ذرا کمی آگئی ذرا بھی ناغہ کیا تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ اور بھوکوں مر جاؤں گا۔ یہ تمام مغربی نظام سارا سرمایہ دارانہ نظام دیکھئے کس چیز کے پیچھے بھاگ رہا ہے ؟ روٹی کے پیچھے دوڑ لگی ہوئی ہے۔ دولت مند کو دیکھئے ایک کارخانہ ہے تو دوسرے کی فکر میں ہے۔ کہیں ایک سے ہاتھ دھو بیٹھوں تو دوسرا موجود ــ دو ہیں تو تیسرے کے پیچھے پھر رہا ہے۔ سرمایہ داری کی حد ہو گئی۔ تو پیچھے روس اٹھ کھڑا ہوا چین بیدار ہوا جیسے بھوکے کتوں کے لشکر روٹی کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ کہ یہ ساری روٹی یورپ لے بھاگا۔ کمیونزم اور سوشلزم کا سارا خلاصہ کیا ہے وہی بھوک تو ان کے علم نے انہیں بھوک دے دی۔ کہیں سرمایہ دارانہ نظام کی صورت میں اور کہیں سوشلزم کی شکل میں۔ حرص نے گھیر لیا۔ کہ دس ہزار افراد کی خوراک ایک آدمی کے گھر میں ڈال دے یہ بھوکوں مریں مگر میرا گھر بھرا رہے۔ اور کل مجھے بھوک نہ لگے۔ پھر اس کا ردِ عمل کیا ہوا ؟ کہ بھوکوں کے لشکر اٹھ کھڑے ہوئے ایسا یلغار کیا کہ اپنا پرایہ مت دیکھو سب کچھ چھین لو۔ کارخانے اور زمین بھی ان سے چھین لو۔ چین کی ساری دوڑ اس روٹی کی طرف ہے مگر وہ بھی پوری نہیں مل سکی۔ جیسے گائے اور بھینس کو آٹے کا ایک پیڑا دیا جاتا ہے۔ کہ کل اس سے خوب یہ کام لو ــ

میں خود پچھلے دنوں چین گیا تھا اور چینی حکومت کی دعوت پر سارے چین کا دورہ کیا۔ ہمیں متاثر کرنے کے لئے ان لوگوں نے چین کے جو جو محاسن تھے، جو جو خوبیاں تھیں بڑے بڑے شہروں میں ہمیں لے گئے۔ اپنے نظام اپنے کمیونسٹ سسٹم انہوں نے دکھائے۔ مگر سارا خلاصہ میں نے یہ نکالا کہ ہمارے ہاں کھیتی باڑی اور بار برداری کے لئے جانور پالتے ہیں تو سخت محنت کرانے کے بعد مالک انہیں شام کو ایک آدھ سیر آٹے کا پیڑا کھلا دیتا ہے کہ کل خوب پسینہ نکال سکوں۔ تو انہیں بھی سیدھا سادہ ایک گول مٹول سا روٹی کا پیڑا مل جاتا ہے نہ مرغ ہے نہ پلاؤ۔ کہ اپنی مرضی سے پکا کر کھا پی لیں۔ تم لوگ تو مزے میں ہو کہ جو چاہا جیسے چاہا کھا پی لیا۔

دوسری طرف روس کو دیکھئے اس کا یہ سارا ہنگامہ؟ صرف روٹی ہی کا تو چکر ہے۔

خوف | اور دوسری چیز خوف ہے ڈر ہے اور یہ آیت کریمہ میں موجود ہے کہ

فاذاقهم الله لباس الجوع والخوف بما كانوا يصنعون ۔ جو کچھ کرتے تھے اپنے لئے چن چکے تھے تو اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک جوڑا لباس کا تیار کر کے دے دیا، لباس پہنا دیا۔ لباس الجوع والخوف ایک بھوک کا کپڑا ایک خوف کا لباس۔ اور خوف کیا چیز ہے، اگر کوئی چیز ہاتھ سے نکل چکی ہو چھن جائے تو اس کی وجہ سے جو غم حاصل ہوتا ہے اس کو عربی میں حزن کہتے ہیں خوف نہیں کہتے۔ خوف یہ ہے کہ ایک چیز ہاتھ میں موجود ہے اور تمہیں کھٹکا لگا ہوا ہے، دل میں ہر وقت ایک ڈر ہے کہ یہ کوئی چھین لے گا۔ اب اس کی فکر اور غم میں لگا ہے۔ بیٹا بیمار ہے تو پریشان ہے کہ کہیں مر نہ جائے۔ گھر میں خزانہ بھرا ہوا ہے پھر بھی فکر ہے کہ کوئی چوری کر لے گا۔ رات کو نقب نہ لگ جائے کہیں، زمین ہے تو کہیں کسان قبضہ نہ کر بیٹھے۔ مکان اور کارخانہ ہے تو فکر ہے کہیں حکومت قومی ملکیت کے نام سے چھین نہ لے۔ یہ ہے خوف کہ سب کچھ ہے مگر غم دامنگیر ہے۔

تو اب سارے یورپ کو دیکھئے سب بڑی طاقتیں اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ جسے خوف کہا جاتا ہے۔ عذاب سر پر نہیں مگر ہر ایک چیختا ہے کہ اوروں نے مجھے مار ڈالا۔ امریکہ نے کونسا لباس پہنا ہے؟ یہی خوف روس پر کون جوڑا ہے؟ خوف ہی نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر ڈر نہ ہو گا تو یہ سارے کارخانے، یہ جنگی ہتھیار اور اسلحہ کی یہ دوڑ کیوں ہے۔ ہر ایک لرزاں و ترساں ہے۔ خوف اور ڈر ہے۔

اور اب چھوٹی طاقتیں بھی انہی دو بیماریوں کی لپیٹ میں ہیں۔ جو مسلمان ملک ان لوگوں سے اپنے کو وابستہ کئے ہوئے ہیں اور سہارا انہی کافر طاقتوں کو بنا رکھا ہے۔ یا امریکہ پہ ایمان ہے یا روس پہ۔ اور اپنے علم حقیقی اور معرفت ربانی کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ خدا سے وابستگی ختم ہو چکی ہے۔ تو ان سارے اسلامی ممالک پر نظر ڈالئے۔ وہاں بھی یہی حالت ہے۔ سب اسی دو لباسوں میں ڈھک گئے ہیں۔ بھوک اور خوف پھر بھوک بھی حقیقی بھوک ہے۔ کہ ان کے آقا تو واقعۃً بھوکے نہیں مگر روحانی اور نفسیاتی بھوک میں مبتلا ہیں اور یہ مسلمان ملک ظاہری اور

معنوی ہر دو لحاظ سے بھوکے ہیں۔ ہم پر یہ دونوں قسم کی بھوک مسلّط ہے پھر میں کہا کرتا ہوں کہ ان پر تو دو چیزیں مسلّط ہیں ١۔ بھوک ٢۔ خوف۔ اور ہم پر ایک تیسری چیز بھی ہے۔

کاسۂ گدائی

اور تیسری چیز کشکول گدائی۔ کاسۂ گدائی بھی ہاتھ میں ہے۔ کہ وہ گھروں میں سیر ہیں مگر بدبخت بھوک بھوک کر رہے ہیں۔ مگر ہمیں تو کاسۂ گدائی خدا نے ہاتھ میں تھما دیا ہے کہ جاؤ ان کے دروازوں پر کتوں کی طرح دُم ہلاتے رہو۔ گندم ان سے مانگو۔ گھی ان سے مانگو۔ پھر ایران کو کہتا ہے کہ عراق سے ڈرتے رہو۔ عراق کو ایران کا ڈر کھائے جا رہا ہے۔ لیبیا کو سوڈان سے ڈر ہے اور سوڈان کو لیبیا سے۔ یہ لباس الخوف ہے یا نہیں اس لباس کی وجہ سے ہم امریکہ کی غلامی کرتے ہیں۔ کہ مجھے بچاؤ۔ مجھے اسلحہ دے دو۔ میری مدد کرو۔ وہ کہتا ہے کہ چلئے فلاں مارکہ اسلحہ اور جہاز دے دیں گے۔ مگر اسرائیل کو اس سے بڑھ کر اسلحہ دے دیتا ہے۔ پھر یہ رونا چلاتا ہے کہ اسرائیل تو مجھے کھا جائے گا۔ میرا اسلحہ اس سے کم ہے۔ طویل شور و غوغا کے بعد وہ پانچ ایواکس طیارے دے دیتا ہے جس میں حملوں کی حفاظت کے راڈار لگے ہوئے ہیں لیکن ساتھ ہی دشمن کو ایسے آلات بھی دے دیتا ہے کہ وہ اڈہ پر کھڑے ہوئے ان طیاروں کے راڈار سسٹم کو جام کر سکے۔ تو ایک نہ ختم ہونے والے خوف میں یہ انسان اس علم دنیوی کی بدولت مبتلا ہیں پسماندہ قومیں بڑی قوموں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

قناعت و اطمنان کی دنیا

پھر دوسری جانب آپ دینی علوم کے ایک معمولی قسم کے طالب علم کو دیکھیں یا کسی مسجد کے پیش امام یا کسی خطیب پر نظر ڈالیں۔ یا دین کی خدمت میں لگے ہوئے کسی عام انسان کو دیکھیں اور اپنی بستیوں میں اپنے بڑے انگریزی تعلیم یافتہ کے ساتھ اس کا موازنہ کر لیجئے۔ ادنیٰ سا موازنہ کریں۔ کھلا نمونہ دیکھ پاؤ گے کہ کون کامیاب ہے کون نہیں؟ کہ کامیابی تو نام ہے اطمینان کا۔ دل کے قرار کا۔ کہ افلح الذی اور بیٹ فی اسے نہ ... وہی انسان کامیاب ہے۔ ایک ایم اے ایک پروفیسر سے ایک عام مولوی کسی مسجد کے امام کا موازنہ کریں۔ اس کے چہرے پر سکون ہے ایک خاص قسم کی نورانیت ہے۔ اطمینان و خوشی ہے اور وہ دنیوی تعلیم یافتہ دن رات ایک آگ میں جل رہا ہے وہ اپنے مصنوعی تکلفات اور مصنوعی رکھ رکھاؤ اور مصنوعی تہذیب پر ایسا ڈوبا ہوا ہے کہ ہر وقت اندر ہی اندر جل رہا ہے۔ کہ میری ضروریات کیسے پوری ہوں۔ وہ ایک دوڑ میں ہے اور پریشانیوں میں۔ مگر مسجد کا وہ طالب علم دو وقت اللہ روٹی دے رہا ہے۔ کل کا اللہ مالک ہے۔ کپڑے اس کے ان سے سفید اور صاف ہیں۔ آرام سے لمبی تان کر سو رہتا ہے۔ اور وہ رات کو خواب آور گولیاں کھا کر سونے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر بھی نیند میسر نہیں جتنی کہ دولت آئی ہے اور تکلفات و آسائش ہیں اتنا اطمینان سے محروم ہے۔ اس لئے کہ اس کے علم نے ہمیشہ دلوں سے اطمینان سلب کیا ہے۔

یورپ کا ایک امیر کبیر راک فیلر پچاس ساٹھ قبل بھی وہ ارب پتی تھا کروڑپتی تھا لوگ اس پر رشک کرتے

تھے۔ مگر پیٹ بھر کر کھانا کھانے کی اجازت نہ تھی۔ ڈاکٹر کچھ دودھ اور چند بسکٹ کے علاوہ ہر چیز سے منع کرتے تھے۔ اور برطانیہ کی پارلیمان میں تقریر کے دوران وہ رو رو کر کہتا ہے کہ اے لوگو! تم مجھے نہایت خوشحال اور آسودہ سمجھتے ہو۔ میری یہ ساری دولت لے کر اس کے بدلے ۲۴ گھنٹے کا اطمینان وسکون مجھے دے دو۔ تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔

یہ دارالعوام میں اس کی تقریر ہے۔ ہنری فورڈ بھی ایک ارب پتی تھا، موجودہ فورڈ خاندان کا مورث اعلیٰ تھا مگر یا عزو نحیف زندگی عجیب پریشانیوں میں گذری۔ ڈاکٹروں کے نرغے میں رہتا۔ کھانا حساب سے، پینا حساب سے۔ خواب آور گولیاں، انجکشن دیئے جاتے تب کہیں سو سکتا۔ لوگ سمجھتے یہ تو مزوں اور راحتوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ نوجوان حسین بیٹا سخت مہلک مرض میں مبتلا ہوا۔ یورپ بھر کے ڈاکٹروں نے کوشش کی۔ اس نے کہا ساری دولت لے لو مگر اسے بچاؤ۔ مگر

وما یغنی عنہ مالہ اذا تردّی۔ وہ مال وہ دولت کوئی نفع نہیں دے سکتا جب ہلاکت اسے گھیر لیتی ہے تو یہ سارا فلسفہ، ساری سائنس۔ سارا مال اور دولت، یہ کمیونزم یہ سوشلزم اسے بالکل مطمئن نہیں کر سکتا نہ اسے نجات دے سکتا ہے۔ ایک کروڑ پتی کا مقولہ ہے کہ ایک ملینیر (لاکھ پتی) کبھی مسکرا نہیں سکتا۔ یہ ویسے مصنوعی قہقہے لگاتے ہیں دل اندر سے کھوکھلا اور چھلنی ہے۔ دل اندر سے بے چین ہے۔ بھوک کی ہوس، خوف، پریشانی اور نے انہیں گھیر رکھا ہے۔ ہر لحظہ ڈر ہے کہ جائداد چھن گئی ٹیکس لگ گیا، حکومت نے چھین لیا۔

یحسبون کل صیحۃ علیھم۔ کوئی بھی آہٹ دنیا میں کہیں ہوتی ہے تو کروڑ پتی سرمایہ دار اور لکھ پتی تڑپ اٹھتا ہے۔

علم الٰہی کی عجیب تعلیمات | دوسری طرف آپ کا علم ہے دین کا جس نے ہمیشہ انسان کو انسانیت سکھائی اخلاقی قدریں سکھائی ہیں۔ تمہارا علم انسان کو اطمینان قلب دیتا ہے۔ مومن اگر پیٹ سے بھوکا بھی ہو تو دل مطمئن ہوتا ہے۔ آپ اپنے اکابر کے حالات پر نظر ڈالیں۔ اکابر کی تاریخ دیکھیں کہ جسم کا ایک ایک ٹکڑا الگ گیا مگر ان کے دلوں میں کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ یہی تو اسلام اور دین کے علم اور دنیاوی علوم کا فرق ہے۔ کہ ایک دنیا کو اتحاد، وحدانیت، اخلاق، عدل و احسان کا درس دیتا ہے۔ اس علم کے علمبردار جا کر اخلاق سے ممالک کو فتح کر لیتے تھے۔ اور پھر جب کسی مجبوری سے وہاں سے واپس بھی ہوتے تو مفتوح علاقوں کے لوگ آکر رو رو کر انہیں روکتے۔ قدموں پر گرتے کہ خدا کے لئے ان ظالموں کے حوالے ہمیں مت چھوڑو۔ اس علم کا درس یہ ہے کہ چیونٹی کو تکلیف نہ دی جائے۔ اس علم کی تعلیم یہ ہے کہ کسی انسان کا ایک قطرۂ خون بھی اگر بہا دیا، سوئی کے سرے کے خون بھی اگر بہا دیا تو جنت کے دروازے اور اس کے درمیان وہ ایک سمندر کی طرح حائل ہو جائے گا۔

وہ تھا تو جنتی کہ جنت کی جانب جانے لگا تھا مگر ظلم کیا تھا انسان پر !

حدیث میں آتا ہے کہ قطرۂ خون سمندر بن کر اس کے راستے میں موجزن ہو کر اسے روکے گا۔ کہ مت داخل ہونا۔

یہ علم کہتا ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ خداوند قدوس کے ذکر، یاد اور خدا کے تعلق ہی سے انسان کو اطمینان ہوتا ہے۔ اس علم کے علمبرداروں میں ایک حضرت عمران بن حصینؓ ہیں۔ صحابی ہیں۔ آخری زندگی بصرہ میں رہے۔ قابل احترام صحابی ہیں۔ بڑی زندگی اللہ نے دی۔ اور لکھا ہے کہ اس دنیا میں فرشتے ان سے مصافحہ کرنے اور سلام کرتے۔ بصرہ کے قاضی بھی رہے۔ آخری عمر میں شدید بیماری نے آگھیرا۔ تو اس علم کا سبق یہ بھی تھا کہ بیماری اور مصیبت اس بات کی دلیل نہیں کہ تم خدا کے مبغوض یا دشمن ہو، بیماری بھوک غربت، مالداری صحت بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ ہر حالت میں اطمینان اور ایمان رکھو گے، حامد اور شاکر رہو گے۔ تو اس علم کے عجیب عجیب سبق ہیں۔

تو حضرت عمران بن حصینؓ بیمار ہوئے استسقار کی بیماری لگ گئی۔ پھر بواسیر نے آگھیرا لکھا ہے کہ **فبقی علی سریر منقوب ثلثین سنۃ** "تیس سال لگاتار ایک چارپائی پر چت پڑے رہے۔ اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے۔ چارپائی میں جگہ کھلی رکھی گئی تھی۔ پیشاب، بول و براز اسی حالت میں ہوتا۔ بواسیر کا خون ٹپکتا رہتا۔ اس کے باوجود ان کا چہرہ تر و تازہ رہتا انار کی طرح سرخ اور شگفتہ کہ کوئی محسوس ہی نہ کر سکتا کہ یہ ایسے آلام و مصائب کا شکار ہیں۔

ان کے ایک شاگرد کافی عرصہ غائب رہے۔ تیمارداری کے لئے نہ آئے۔ عرصہ بعد حاضر ہوئے تو حضرت عمرانؓ نے دریافت کیا کہ تم تو میرے چہیتے اور وفادار شاگرد تھے۔ اب ملاقات کرنے بھی نہیں آتے ہو۔ انہوں نے فرمایا۔ ہر وقت دل آپ کی طرف لگا رہا۔ مگر مجھ سے آپ کی یہ تکلیف، یہ اذیت اور یہ حالت دیکھی نہیں جا سکتی۔ اس لئے نہیں آیا کہ برداشت نہیں ہوتی۔ فرمایا! اے میرے عزیز ایسا مت کہو مجھے میری یہ حالت بہت ہی محبوب ہے۔ کہ میرے آقا اور میرے رب نے میرے لئے اس حالت کو پسند کیا ہے۔ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ ایک تحفہ ہے جو اس نے مجھے دیا ہے۔ تو یہ علم ایسا صبر و شکر دیتا ہے۔ ان جیسے صحابہؓ کے شاگرد ہیں۔ ابو قلابہؒ ایک بہت بڑے محدث اور تابعی ہیں۔ تو حضرت ابو قلابہ بھی ایسی بیماری میں مبتلا ہوئے علماء نے لکھا ہے۔

فذہبت یداہ وذہبت رجلاہ۔ ایسی بیماری لگی کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں جھڑ گئے **وذہبت بصرہ** آنکھیں بھی ختم ہو گئیں۔ بس ایک لوتھڑا سا رہ گیا۔ لیکن آگے لکھا ہے کہ **وکانت مع ذلک صابراً وشاکراً**۔ اس کے باوجود ہر لمحہ اللہ کی حمد و ثنا اور صبر و شکر میں گذرتا۔ اونچے درجات کے مالک تھے حضرت حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے اکابر علم و فضل زیارت کے لئے جاتے تو حضرت عمر نے ان سے کہا کہ دیکھنا ابو قلابہ ہمت نہ ہارنا کہیں اہل نفاق کو ہنسی کا موقعہ نہ ملے۔ یعنی علم دنیوی والے وہ تو معمولی سی تکلیف پر جزع و فزع کرتے بیٹھتے ہیں

تو کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ ارے علم اُخروی رکھنے والے تم پر تو ایسی ایسی تکالیف ڈال دی گئی ہیں۔
تو ابو قلابہ کہتے کہ اے خدا کے بندو میں تو ہر لحظہ اللہ کی محبت میں سرشار رہتا ہوں۔ ہر لمحہ اللہ کی حمد اور شکر کرتا ہوں۔ کہ یہ نعمت تم پر نہیں مجھ پر کی گئی ہے۔ تو ان علماء کا ایسا درجہ اور ایسے حالات تھے۔

علم دین کے لئے صلائے عام اور غیبی انتظامات

پھر آج جو علم دنیوی حاصل کرتے ہیں تو تحصیل علم پر بھی ہزاروں لاکھوں خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ اور اغراض دنیوی ہی مقاصد ہوتے ہیں۔ لیکن علم الٰہی اور دینی جب حاصل ہوتا ہے تو یہ تحصیل بھی خالصۃً لرضاء اللہ ہوتی تھی تو اس کے حصول کے راستے بھی اللہ تعالیٰ نے بالکل آسان بنادئے تھے اور یہ ایک الگ موضوع ہے کہ جو بھی چیز حیات حقیقی کا سبب ہے اور انسان کی زندگی جن چیزوں پر موقوف ہے اللہ نے اسے سستا اور آسان کردیا ہے۔ جو چیزیں زندگی کے لئے لازمی ہیں۔ پانی۔ ہوا سورج تو وہ خدا نے مفت مہیا کر رکھی ہیں۔ ہوا کو خدا نے آسان کردیا ہے۔ سورج کی روشنی اور تپش مفت میں مل جاتی ہے۔ گرمی اور سردی خدا نے آسان کر رکھی ہے۔ کہ جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ چیزیں مفت نہ ملتیں تو نوع انسانی تباہ ہوجاتی اور ختم ہوجاتی۔ اسی طرح نسل انسانی بغیر قرآن و سنّت اور الٰہی تعلیمات کے اور علم دین کی روشنی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تو کل اگر انسان کہتا کہ خداوند عالم تو نے ہمیں پیدا کیا اور پانی و ہوا مہیا نہیں فرمایا۔ سورج کی روشنی اور گرمی پر بھی کنٹرول کر رکھا تھا۔ کہ مالداروں کو پہنچتا اور ہم محروم رہتے۔ چاند کی ٹھنڈک سے ہمیں محروم کردیا تھا تو پھر ہمیں پیدا کیوں کیا؟ تو انسان جب یہ نہیں کہہ سکے گا تو اسی طرح علم دین اور قرآن و سنّت کے بارہ میں انسان یہ نہیں کہہ سکے گا کہ یا اللہ ہم تو بھاری بھاری فیس ادا نہیں کرسکتے تھے بڑے بڑے ہاسٹلوں کے اخراجات نہیں اٹھا سکتے تھے۔ بڑی بڑی یونیورسٹیوں کے مصارف کی سکت ہم میں نہ تھی تو خدا نے بندوبست فرما دیا کہ ہر دور میں ہر طبقہ کے لئے یہ علم عام ہوگا سستا ہوگا گلی گلی پہنچ سکے گا اسی لئے مروت جیسے دور دراز قصبہ میں بھی کوئی مدرسہ کوئی دارالعلوم قائم ہوگا۔ اگر تم حاصل کرنے آتے ہو تو تم سے کوئی فیس نہیں لی جائے گی۔ کھانا بھی مفت ملے گا۔ رہائش بھی مفت اور پڑھنے کے لئے کتابیں بھی مفت دی جائیں گی۔

علم دین کے اساتذہ اور طلبہ کا باہمی رشتہ

اگر تم آتے ہو تو یہاں کے اساتذہ بھی ایک خلوص اور جذبہ سے آپ کو پڑھائیں گے۔ کہ اس علم کے اساتذہ اسے ایک عبادت سمجھتے ہیں نہ کہ ملازمت۔ اس علم کے جس مدرس نے اپنے آپ کو ملازم سمجھا اس سے دنیا کو فیض نہیں پہنچے گا۔ اور جس شاگرد نے یہ تصور کرلیا کہ یہ استاد تو ہمارا ملازم ہے (گو وہ قوت لایموت تو لازماً لیتا رہے گا) لیکن شاگرد نے یہ سمجھ لیا کہ یہ تو استاد کی ڈیوٹی ہے یہ تو میرا نوکر ہے یہ باتیں علم دنیوی میں چل رہی ہیں اور چل سکتی ہیں مگر یہاں تو اساتذہ کے مویشی بھی شاگرد چراتے ہیں ہر خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں جب یہ علم حاصل ہوگا یہ استاد و شاگرد کے باہمی محبت و الفت عظمت و احترام کا معنوی سلسلہ

ہے یہاں کسی طالب علم کے دل میں بھی خیال آیا کہ یہ مہتمم ہماری وجہ سے آسودہ حال ہے یہ استاد ہماری وجہ سے تنخواہ لیتا ہے تو وہ طالب علم ہرگز ہرگز اور کبھی بھی عالم نہیں بن سکے گا۔ وہ جتنی بھی سند لے لے لیکن بالآخر کل سے پٹواری بننا ہے یا دنیا داروں کا منشی اور ناظر بن کر رہنا ہے۔ اس کا فیض اللہ تعالیٰ نہیں پھیلائے گا۔ اس علم کا نظام ایسا ہے کہ اس کی تحصیل بھی للہ اور اس کی اشاعت و تبلیغ بھی خالصۃً لرضا اللہ ہوگی اور دوسرے علم کا حاصل کرنا بھی دنیا کے لئے ہے اور پڑھانا بھی دنیا کے لئے کہ اگر کوئی ایک حرف بھی کسی کو سکھائے تو اس کی بھی فیس ہے۔ کسی وکیل سے قانون کا معمولی مسئلہ دریافت کروگے تو پہلے فیس جمع کرانی ہوگی۔ سینکڑوں ہزاروں روپے کی فیس پر صرف مشورہ دے گا۔ اور کہاں عالم دین ہے کہ سینکڑوں اور ہزاروں علمی مسائل و احکام بھی اگر اس سے دریافت کروگے اور اس کے علم میں ان کا جواب ہوگا۔ پھر بھی اس نے علم کو چھپایا اور بخل سے کام لیا۔ تو حضورؐ نے فرمایا ألجم بلجام من النار کہ اس کے پاس علم تھا مسئلہ معلوم تھا مگر بتانے سے گریز کیا تو جہنم کی آگ کا لگام اللہ تعالیٰ اس کے منہ میں ڈال دے گا۔ تو کتنا فرق ہے نا؟ دونوں علوم میں۔ یہ علم دین اللہ تعالیٰ نے غربت کے باوجود بلا اسباب و وسائل کے ہم تک پہنچا دیا۔

اس علم کی قیامت تک حفاظت | عجیب و غریب تاریخ ہے احادیث کی حفاظت کا نظام دیکھئے۔ کہ حضورؐ کی ذات اقدس کی زندگی کا کوئی ذرہ بھی ایسا نہیں جو اس امت کے پاس محفوظ نہیں۔ نشست و برخاست۔ گفتار و کردار، اٹھنا بیٹھنا، مجلسی زندگی۔ نجی زندگی۔ خلوت اور جلوت کی زندگی۔ یہ تمام عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ رنگ مبارک کیسا نقش و نگار کیسا۔ قدم مبارک کس طرح اٹھاتے تھے۔ سر کیسا رکھتے۔ سونے میں پہلو بدلنے کا کیا حال تھا۔ ایک طویل اور عظیم ریکارڈ ہے جسے امت نے تعلیم و تعلّم ہی کے ذریعہ محفوظ کر دیا ہے۔

تو یہ علم، اسوۂ حسنہ ہے جس سے اب سارے عالم کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات وابستہ کر دی گئی ہے۔ کہ جہاں تک جائے گا بالآخر اسی نقطہ پر آکر ٹھہرے گا۔ بھٹکتا رہے گا۔ مگر اس کے بغیر ٹھکانہ نہیں ملے گا۔ تو اس کے لئے یہ سب کچھ محفوظ کرا دیا گیا۔ اور امتوں سے ایسے علم کا ذخیرہ محفوظ کرایا جا سکا۔ کہ اپنے انبیاء کے حالات اور صحیح نام تک سے بھی بے خبر ہیں۔ ہزاروں سال ایشیا، مشرق بعید چین پر گوتم بدھ کا دور گذرا مگر آثار و احوال نامکمل غیر منضبط اور غیر محفوظ ہیں۔ ایسے ایسے عظیم مذاہب کی تعلیمات غیر محفوظ۔ مگر اس امت کے علم کا ذخیرہ دستیاب اور موجود ہے۔ صحابی نے حدیث محفوظ کی پھر اس سے تابعی نے۔ تابعی نے تبع تابعی سے مفت اجر و ثواب کی خاطر سب کچھ حاصل کیا۔ اوروں تک پہنچایا۔ ایک ایک جملہ کے لئے ہزاروں میل کا سفر کیا۔ ایک ایک حدیث کے لئے مدینہ سے مصر کا سفر کرتے ہیں۔ شیخ کے تمام اساتذہ اور راویوں کے تمام حالات کردار و گفتار کو بھی محفوظ کر دیا۔ جانچا اور پرکھا اور لاکھوں علم کے ان خادموں کو بھی محفوظ کر دیا گیا۔

علم اسماء الرجال اسی کو کہتے ہیں۔ ایک صحابی ایک حدیث کے لئے مدینہ منورہ سے مصر گئے جو زندگی میں ہر وقت حضورؐ کی احادیث سنتے رہے پھر بھی اس نے سنا کہ حضورؐ کی ایک حدیث مصر میں کسی بزرگ کے پاس ہے۔ اور ایسی نے براہِ راست سنی نہیں۔ گھوڑے اور اونٹ پر مہینوں کا سفر کیا۔ (ہم اپنے محلوں اور آس پاس کے دیہات سے بھی بہ مشکل چل کر آتے ہیں) وہ صحابی مصر پہنچتے ہیں۔ دروازہ پر آواز دیتے ہیں۔ اوپر سے اس صحابی رضؓ نے دیکھا تو خوشی سے اچھلتے ہیں کہ یہ تو ہمارا دوست اور صحابی رسولؐ مدینہ سے چل کر آیا ہے۔ مگر یہ نیچے سے پکارتا ہے کہ میں نے ٹھہرنا نہیں ہے واپس جانا ہے بس وہ حدیث اوپر ہی سے سنا دو کہ حضورؐ کے ساتھ اس روایت کو کی سند متصل ہو سکے تو مقصد حاصل ہو جائے گا۔

ہم تو کہیں گے کہ یہ کیسے عجیب لوگ تھے۔ کہ ایک حدیث سننے کے لئے اتنا سفر کیا۔ پھر ٹھہرے بھی نہیں اور واپس چل پڑے کہ مقصد تحصیل علم تھا اور حاصل ہو گیا۔ تو اس امت کو اللہ نے ایسے علوم دئے اور ایسے علماء دئے اور پھر ان علماء کے کام میں اللہ نے برکت بھی ڈال دی ـــ اور آج دنیا کی بڑی بڑی اکیڈمیاں ہیں۔ لیبارٹریاں ہیں انسٹی ٹیوٹ ہیں۔ بڑے بڑے ادارے ہیں۔ ہسٹاریکل سوسائٹی ہیں۔ یہ ایجوکیشن کانفرنس ہے۔ وہ تعلیمی ورکشاپ ہے لائبریریاں ہیں اور وہاں یہ سب نہیں۔ مگر کام بے مثل اور بے حساب ہے۔ آپ کی امت کا ایک ایک عالم اکیلے بڑی بڑی امتوں پہ بھاری بن کر نکلتا ہے۔ ان مدارس سے ایک طفل مکتب نکلتا تھا اور امت کے لئے عظیم ذخیرے چھوڑ کر جاتا تھا۔

(افسوس کہ ایک گھنٹہ کا کیسٹ ختم ہو جانے پر تقریباً پون گھنٹہ کی تقریر ریکارڈ نہ کی جاسکی)